۱۵ فروری ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۷

اس شمارے میں

پروفیسر آل احمد سرور

خطبۂ صدارت

(رسم خط سیمنار دہلی یونیورسٹی ۔ ۲۹ جنوری سہ پہر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کے حامی بڑی شد و مد سے کہتے ہیں کہ اردو اور ہندی تو ایک ہی زبان ہیں۔ اردو اپنے الگ اسٹائل میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کے بچانے کی صرف یہی صورت ہے کہ یہ ہندی کے اسٹائل میں مل جائے۔ مجھے ایسے لوگوں کی فہم و فراست پر حیرت ہوتی ہے۔ بحث کے لئے کوئی دھرم دیر بھارتی، کوئی یش پال یہ کہہ دیتا ہے کہ اردو کا سارا سرمایہ بھی ہندی کا سرمایہ ہے مگر آج تک میری نظر سے کسی یونیورسٹی کا ہندی کا ایسا نصاب نہیں گزرا جس میں پرساد اور نرالا اور میتھلی شرن گپت اور بھارتیندو اور تلسی، سور، میرا، کبیر کے ساتھ میر، سودا، نظیر، انیس، اکبر، اقبال، چکبست، سرسید، سرشار، نذیر احمد، حالی، شبلی کو جگہ دی گئی ہو۔ ہندی رسم الخط میں تو اب وہ نقطے بھی اڑا دئے گئے ہیں جو اردو کی آوازوں کو ظاہر کرتے تھے۔ آپ نے مسعود حسین خاں کا وہ پرلطف مضمون پڑھا ہوگا جس میں ہمارے ممتاز شعرا کے ان اشعار کا نمونہ دیا گیا ہے جو ہندی رسم الخط میں کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ چند سیاسی مداریوں یا ادبی شعبدہ بازوں کے کہنے میں آکر ہم کس طرح اپنی متاع عزیز ایک امید موہوم پر قربان کر دیں جبکہ آج تک کسی نے ان حضرات کے کہنے پر عمل کر کے اردو اور ہندی ادب کا ایک مشترک نصاب نہیں بنایا۔ ہم کیسے یہ گوارا کریں کہ ہماری زبان کچھ سے کچھ ہو جائے۔ ہم اپنے دریا کا سارا پانی ایک بڑے دریا میں کیسے ملا دیں۔ جمنا بھی جب گنگا میں ملی تو کچھ دور تک اس کا ہلکا نیلا رنگ باقی رہا مگر ذرا آگے چل کر وہ گنگا میں غائب ہوگیا۔ بقول شاعر:

گرچہ مثل غنچہ دلگیریم ما
گلستاں میرد اگر میریم ما

جن لوگوں کا قومی یک جہتی کا تصور ایک مذہب یا ایک زبان کا ہے، وہ ہندوستانی جمہوریت کے مزاج کو نہیں سمجھے۔ ہندوستانی جمہوریت کی بات آپ غالب کی زبان سے سنیے:

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
سر پائے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

ہندوستانی جمہوریت، تصوف کی طرح کثرت میں وحدت کی قائل ہے اور یہاں کثرت اور وحدت دونوں پر اصرار ہے اور کثرت میں وحدت پر بھی۔ اس لئے یہاں ہر زبان کو آزادانہ ترقی کرنی چاہیے، نہ کسی دوسری زبان پر تکیہ کر کے نہ کسی کی وسیع قلمرو کا ایک حصہ بن کر۔ آخر دو بہنوں کو بھی تو بالآخر اپنی زندگی الگ الگ گزارنی پڑتی ہے۔ وہ ساری عمر ساتھ نہیں رہتیں۔ نہ

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

ایک بہن دوسری کی خاطر اپنا مستقبل تج سکتی ہے۔ اردو سے یہ توقع کیوں ہے۔

جب لوگ اردو کے زوال کا ماتم کرتے ہیں یا ہندی رسم الخط کے ذریعے سے ہندی کا قلعہ جیتنے کی بات کرتے ہیں تو مجھے افسوس ہوتا ہے لیکن جب لوگ یہ کہہ کر کہ دیوناگری رسم الخط زیادہ سائنٹفک ہے یا صوتی حیثیت سے مکمل ہے، ہمیں طعنہ دیتے ہیں تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ دنیا کا کوئی رسم الخط مکمل نہیں ہے۔ ہر رسم الخط میں کچھ خوبیاں ہیں اور کچھ خامیاں۔ کوئی ایک لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے کوئی دوسرے لحاظ سے جب حسن کا کوئی مطلق معیار وضع کرنا آسان نہیں اور جب اس میں نظارے کے علاوہ ذوقِ نظر کو بھی دخل ہے تو کسی رسم الخط کو سائنٹفک کہہ کر دوسرے کو گرانا میرے نزدیک فریب ہی ہے خواہ وہ دانستہ ہو یا نادانستہ۔ یہ صحیح ہے کہ دیوناگری صوتی حیثیت سے بہتر ہے مگر آخر صوری حیثیت بھی تو کوئی چیز ہے پھر سائنس کا لفظ کوئی ایسا منتر نہیں کہ پڑھ کر پھونک دیا اور سب ڈھیر ہو گئے۔ زبان، مذہب، ادب، تہذیب، عقیدے کے معاملے میں سائنس نہیں چلتی۔ انسان مشین نہیں ہے۔ وہ جذبات و جبلتوں کی پوٹ ہے آج کے انسان میں ابتدائی انسان سے لے کر موجودہ دور کے تہذیبی سفر تک کے اثرات موجود ہیں۔ انسان فارمولوں، چارٹوں حسابی اعداد میں بند نہیں ہے۔ سائنس کا لفظ کوئی اسم سم نہیں ہے کہ آپ نے پڑھا اور خزانے کا دروازہ کھل گیا۔ زبان سے کہنے عقل سے جاننے اور دل سے ماننے میں فرق ہے۔ میں عقل کو مانتا ہوں سائنس کی اہمیت کا قائل ہوں مگر دل کی بات بھی سمجھتا ہوں اور رسم الخط کے سلسلے میں برنارڈ شا کی پرزور تلقین کے باوجود انگریزوں کی قدامت پسندی کا راز بھی جانتا ہوں۔ زبان کے معاملے میں سائنس کے اصول کام نہیں دیتے زبان کی اپنی سائنس ہے۔ لسانیات کے ماہرین کتابی قواعد کو نہیں مانتے، چلن کی منطق کو تسلیم کرتے ہیں۔ سائنس کے طاعت و زہد کا سارا ثواب تسلیم مگر زبان و ادب میں بالآخر قبول یہی ہے پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔ یہ ہٹ دھرمی نہیں ہے نفسیاتی صداقت ہے اور آپ چاہے اور کتنی ہی صداقتوں سے انکار کر دیں نفسیاتی صداقت سے انکار کیا اور آپ نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنی شخصیت کی کمی یا ناہمواری گوارا کرلی۔

اردو رسم الخط کی وجہ سے پڑوسی ملکوں سے ہمارا رشتہ استوار ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں پانچ زبانیں مشترک ہیں۔ اردو، بنگالی، پنجابی، سندھی، کشمیری۔ ان میں بنگالی کو چھوڑ کر چار کے لئے اردو رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ جب آزادی کے بعد سندھی بڑی تعداد میں ہندوستان آئے تو پھر سرکاری حلقوں کے اثر سے ان کے یہاں سندھی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھنے کی تحریک چلی مگر میں یہ بات اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ سندھیوں کی بڑی تعداد ہر طرح کے دباؤ کے باوجود اپنے رسم الخط کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ملک میں زبان ایک رسم الخط میں لکھی جائے اور دوسرے میں دوسرے رسم الخط میں۔ زبان و ادب کا رشتہ بعض اوقات جغرافیائی حدود کو پار کر کے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ مجھے اب تک آنند شنکر رے، مشہور بنگالی مصنف کی بات یاد ہے جو انھوں نے کئی سال ہوئے شملے کے ایک سمینار میں کہی تھی۔ مشرقی بنگال کے ادب کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے بڑے فخر سے وہاں کے رسالوں اور نئی مطبوعات کا ذکر کیا۔ ٹیگور کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں عقیدت کی چمک تھی۔ شکاگو میں ایک نوجوان بنگالی مسلمان شمس الباری سے ملاقات ہوئی۔ وہ ٹیگور کا اس خلوص اور محبت سے ذکر کرتا تھا گویا وہی اس کا نام لیوا ہو۔ اسے پاکستان کی حکومت سے شکایت تھی کہ اس نے ایک زمانے میں ٹیگور کے گیتوں پر پابندی لگادی تھی۔ غرض ہمسایہ ملکوں میں ایک ہی زبان کا چلن ہو تو زبانوں کے دو رسم الخط دو دیواریں بن جاتے ہیں۔ ایک رسم الخط دونوں کے درمیان تہذیبی رشتے استوار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اردو رسم الخط کے ذریعے سے صرف پاکستان و افغانستان سے نہیں پورے مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ سے ہمارے تہذیبی روابط برقرار رہ سکتے ہیں۔

ہاں جو لوگ تدریسی ضروریات یا موجودہ طباعتی ضروریات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان کی بات توجہ سے سننی چاہئے اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ ہمیں رسم الخط میں تبدیلی کی بات نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں آج کے دور کی ضروریات کے مطابق رسم الخط میں اصلاح ضرور کرنی چاہئے۔ دراصل ہمارے رسم الخط کی بہت سی الجھنیں نستعلیق طرز تحریر سے وابستہ ہیں۔ چونکہ اس رسم الخط میں حرفوں کی شکلیں بدل جاتی ہیں مثلاً ب کی آٹھ شکلیں ہوتی ہیں اس لئے بچوں اور غیر ملکیوں کے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے اور اس کے سیکھنے اور یاد کرنے میں دیر ہوتی ہے۔ دوسرے اگرچہ آفسیٹ کی وجہ سے نستعلیق کی بہت سی دشواریوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور فوٹو لے کر ہم بڑی تعداد میں کتابیں اور اخبار چھاپ سکتے ہیں مگر کتابت میں بہر حال بہت وقت صرف ہوتا ہے اور پھر آفسیٹ میں اتنا خرچہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس لئے آج سے نہیں کچھ عرصے سے اردو زبان و ادب کے کچھ بہی خواہ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ہمیں طباعت کے لئے نسخ طرز تحریر کو اختیار کرلینا چاہئے۔ چھوٹے پریسوں میں ہاتھ سے کمپوزنگ ہو سکتا ہے اور بڑے پریسوں میں مانو ٹائپ اور لائنو ٹائپ مشینیں لگائی جا سکتی ہیں۔ لائنو ٹائپ میں پوری پوری سطریں ایک ساتھ ڈھل جاتی ہیں اور مانو ٹائپ میں ایک ایک لفظ ڈھلتا ہے۔ لائنو میں ایک لفظ کی صحت کرنی ہو تو سطر بدلنی پڑے گی۔ مانو میں صرف اس لفظ کو نکال دینا کافی ہوگا۔ اخباروں کے لئے لائنو اور کتابوں کے لئے مانو ٹائپ زیادہ موزوں رہے گا۔ ہم چونکہ نستعلیق سے مانوس ہیں اور اس کے دائروں

(باقی صفحہ ۸ پر)

مرکزی انجمن کے وفد کی مردم شماری کمشنر سے ملاقات

سنیچر ۶ ر فروری کو گیارہ بجے صبح انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد مردم شماری کمشنر جناب اے۔ چندر شیکھر سے ملا۔ وفد میں حسب ذیل حضرات شریک تھے:۔

(۱) پنڈت ہردے ناتھ کنزرو۔ صدر انجمن

(۲) پنڈت آنند نرائن ملا، نائب صدر

(۳) کرنل بشیر حسین زیدی

(۴) جناب حیات اللہ انصاری۔ ایم پی

(۵) پروفیسر آل احمد سرور

پون گھنٹے تمام مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ کمشنر کو یاد دلایا گیا کہ پچھلی دفعہ جب انجمن کا وفد ان سے ملا تھا تو کمشنر نے یقین دلایا تھا کہ زبان کے اندراج کو مردم شماری کا کارکن، اس شخص کو دکھا دے گا جس کی زبان کا اندراج وہ کر رہا ہے یا نیز گھر کے کسی بڑے کو یا پڑھے لکھے شخص کو بھی دکھا دے گا جو کارڈ کی پشت پر اپنے دستخط کرسکے گا۔ مگر اس سلسلے میں ریاستوں اور ضلعوں کے کارکنوں کو واضح ہدایات نہیں دی گئی ہیں جس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اندراجات دیکھنے کا گھر کے کسی فرد کو اختیار نہیں ہے۔

کمشنر نے بتایا کہ مطبوعہ ہدایات بہت پہلے جاری کر دی گئی تھیں بعد میں انجمن کے توجہ دلانے پر یہ وضاحت بھی کارکنوں تک پہنچا دی گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ۱۶ رجنوری ۱۹۷۱ء کی پریس کانفرنس کی روداد وفد کے ممبروں کو پڑھ کر سنائی۔ اس روداد کے صفحہ ۳ پر کہا گیا ہے:۔

"مردم شماری کی غرض سے، مادری زبان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ وہ زبان ہے جس میں کسی شخص کی ماں اس شخص کے بچپن میں اس سے گفتگو کرتی ہے اگر کسی کی ماں، اس شخص کی شیر خواری کے زمانے میں مر گئی ہے تو اس شخص کے بچپن میں اس کے گھر میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ اس کی مادری زبان ہے۔ مردم شماری کے کارکنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مادری زبان کا پورا اندراج کریں، خواہ مادری زبان کا کوئی بھی نام ہو اور کارکن کا یہ کام نہیں ہے کہ جو زبان بتائی گئی ہے وہ کسی بڑی زبان کی بولی ہے یا نہیں۔ اس سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مادری زبان کے اندراج کے سلسلے میں وہ مذہب کا خیال نہ کرے، اس کا فرض یہ ہے کہ جو زبان مادری زبان بتائی جائے اس کا اندراج کرے، وہ زبان بتانے والے سے کسی بحث میں نہ پڑے اور وہی زبان درج کرے جو بتانے والے نے بتائی ہے، اس کے علاوہ کوئی اندراج نہ کرے۔ زبان درج کرانے والے کے اعتماد کے لئے، مردم شماری کے کارکنوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کسی گھر کے متعلق اندراجات، گھر کے بڑے کو یا گھر کے کسی ذمہ دار فرد کو جس نے گھر والوں کی طرف سے جوابات دئے ہیں، دکھا دے اور مردم شماری سلپ کی پشت پر اس کے دستخط لے لے۔ مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ چونکہ مردم شماری کا ریکارڈ بصیغۂ راز ہوتا ہے، اس لئے گھر کے فرد کے علاوہ کوئی اور شخص اسے نہیں دیکھ سکتا۔ مردم شماری کے کارکنوں پر یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اگر کوئی غلط اندراج کرے یا جو معلومات جمع کی گئی ہیں انھیں کسی غیر متعلق شخص کو دکھائے تو مردم شماری کے قانون کے مطابق اسے سزا دی جائے گی۔"

وفد نے یہ کہا کہ دیہات میں کسی گھر میں پڑھے لکھے اشخاص نہ ہوں تو وہاں کا کوئی پڑھا لکھا آدمی اندراج دیکھ سکے تو کیا حرج ہے۔ کمشنر نے اس سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ صرف گھر والوں کو اندراج دیکھنے کی سہولت دی جا سکتی ہے۔

پچھلی دفعہ کمشنر نے بتایا تھا کہ مردم شماری کے متعلق پوسٹر اور فولڈر، ہر زبان میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ چونکہ بعض ریاستوں میں اردو کے پوسٹر اور فولڈر پہنچنے کی اطلاع نہیں ملی اس لئے اس سلسلے میں کمشنر کو یاد دہانی کی گئی۔ کمشنر نے اردو پوسٹر وفد کے ممبران کو دکھائے۔ فولڈر ان کے متعلق انھوں نے بتایا کہ وہ پبلسٹی ڈویژن کی طرف سے شائع ہوں گے اور جلد تمام ریاستوں کو جہاں اردو کا چلن ہے بھجوائے جائیں گے۔

کمشنر سے یہ بھی درخواست کی گئی کہ سنیما میں مردم شماری کے متعلق ضروری ہدایات کی سلائڈیں دکھائی جائیں اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی ہدایات نشر کی جائیں تاکہ ہر شخص کو اس کا علم ہو جائے نیز ہندوستانی زبانوں کے اخباروں کو کمشنر اشاعت کے لئے اپنا لٹریچر بھیجے۔ کمشنر نے ان سب باتوں کے سلسلے میں ضروری کارروائی کرنے کا وعدہ کیا۔

وفد نے ایک بار پھر مادری زبان کے اندراج کے معاملے میں کمشنر کو چوکس رہنے کی درخواست کی اور اسٹاف کو واضح اور قطعی ہدایات دینے پر اصرار کیا۔ کمشنر نے اس سلسلے میں پھر کہا کہ وہ

(باقی صفحہ ۵ پر)

ذکاء الدین شایاں

لغت کی نارسائی

"ہماری زبان" کے شمارہ ۸ر جنوری ۱۹۷۱ء میں آغا خلش کاشمیری سے متعلق اداریہ کے صفحات میں لغت اور قواعد پر چند بڑی کارآمد اور قابلِ غور باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"...... ہماری زبان میں جو لوگ عربی یا فارسی لغات کو اردو کے محاورے کے مطابق لکھتے ہیں ان پر اعتراضات کیے گئے۔ ہمیں مرحوم سے اصولی اختلاف تھا کیونکہ ہم اردو کو ایک آزاد اور خود مختار زبان سمجھتے ہیں۔ عربی یا فارسی کا ضمیمہ یا ہندی کی شاخ نہیں سمجھتے اور اس لئے انشا کے فتوے کے مطابق جو لفظ جس طرح اردو میں رائج ہوگیا ہے اسے اردو کا لفظ مانتے ہیں۔ عربی یا فارسی کی قواعد کے مطابق ان کا استعمال ضروری نہیں سمجھتے۔"

اس اقتباس کی روشنی میں شاعری کی زبان کا مسئلہ مزید سنجیدہ ہوجاتا ہے کیونکہ ہم نے لغت اور اس کے معانی کے تعین میں کچھ ایسے جامد اصول بنالئے ہیں جو شعر و ادب کی تفہیم میں ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اردو لغات جو مرتب کی گئی ہیں ان میں الفاظ کے معانی مجرد شکل میں ملتے ہیں۔ شعری الفاظ عام مجرد الفاظ کے مقابلے میں اپنے جدا معانی رکھتے ہیں۔ شعر میں محاکات اور استعاراتی فضا کا اتنا عمل دخل ہوتا ہے کہ اس کے دائرے میں آکر لغت کے الفاظ کی نوعیت بالکل بدل جاتی ہے۔ اس میں اتنے پہلو اور DIMENSION پیدا ہوجاتے ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا لغت جیسی مجبور چیز کے بس کا کام نہیں۔

ہم لوگ عموماً اس کے عادی ہوگئے ہیں کہ شعر کی تفہیم کے وقت بھی لغت کے معانی کی صحت پر زور دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ شعر میں الفاظ کے معانی کی دنیا قطعی دوسری ہوتی ہے، وہاں تو محسوسات کی رنگا رنگ روشنیوں کا عجائب خانہ ہوتا ہے جس میں الفاظ کے لغوی معنی سے بہت دور استعاراتی معانی اور کیفیات کی حکومت ہوتی ہے۔ یہاں لفظی معانی ذریعہ تو بن سکتے ہیں مگر مقصد اور منزل نہیں۔ منزل کے لئے تو ہمیں "ورائے سخن بھی ہے اک بات" والی سطح تک اپنے ذہن کو لانا پڑتا ہے اور معانی کے ابعادِ ثلاثہ کی تلاش ہوتی ہے اس مقصد تک کوئی لغت ہماری رہبری نہیں کرسکتی۔

گزشتہ دنوں بریلی کالج کے شعبۂ فارسی کے استاذ نے اردو نظم کی تدریس کے وقت ایک استاذ کے لکھائے ہوئے چند معانی پر اعتراضات کئے۔ کیونکہ ان معانی کی بنیاد لغت کی عام مقررہ حدود سے ہٹ کر شعری تقاضوں پر تھی اور جن میں عربی اور فارسی کی قواعد سے انحراف کیا گیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اعتراضات شعر میں الفاظ کا محلِ استعمال دیکھے بغیر کئے گئے۔ بعد میں اس پر دونوں اساتذہ میں کافی تبادلۂ خیال ہوا لیکن اعتراض کنندہ نے لغت اور قواعد کی بے روح دنیا سے باہر آکر شعر کے دوسرے جمالیاتی زاویوں اور معانی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ استاذ نے لغت اور شعر کے معانی کی اس بحث کو معترض موصوف کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اس کا جواب فراہم کریں۔ یہ بحث شعری الفاظ اور معانی کے نقطۂ نظر سے بڑی اہم اور فکر انگیز ہے۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"مثال کے طور پر آپ نے "عنوان" کے ان معانی پر اعتراض فرمایا جنھیں میں نے لغوی دائرہ سے الگ

مظفر حنفی

غزل

اُکسا کے میری لَو کو مسلسل سزا نہ دے
میں اب تو اک چراغِ سحر ہوں ہوا نہ دے

اشجار سایہ دار ذرا کانپتے رہیں
کوئی پناہ گیر کلہاڑی چلا نہ دے

یادوں کو سینت سینت کے رکھنے سے فائدہ
مردے کی استھیوں کو ندی میں بہا نہ دے

بن کر حباب تہہ سے ابھرنے لگا تو ہوں
اب دیکھئے جو موج کنارے لگا نہ دے

اس وقت تھوڑی دھول اڑا کر بھی دیکھنا
جب مرغِ قبلہ رخ بھی ہوا کا پتہ نہ دے

لغزیدہ گام ہوں کہ یہی ہے مری ادا
گرنے لگوں تو کوئی مجھے آسرا نہ دے

ہر چیز جو حسین لگی اس کو ڈس لیا
تنقید کا شعور کسی کو خدا نہ دے

ہو کر لکھا تھا۔ آپ کے خیال میں "عنوان" کے معنی "طریقہ" یا "ڈھنگ" کے نہیں ہو سکتے۔ دریافت کرنے پر آپ خود اس لفظ کا مترادف مہیا نہ کر سکے! اس کے معنی آپ نے ہندی کے لفظ "شیر شک" میں بتائے جسے میں اردو شعر کی تدریس کے وقت قطعی غلط سمجھتا ہوں اب شعر میں لفظ "عنوان" کے محل کو نظر میں رکھئے۔

ع 'نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی'

عنوان کے معنی لغات میں یہ ہیں۔ سرنامہ، مطلب کی سرخی، دیباچہ، کسی چیز کا اوّل۔ ان لغوی معنی کی مدد سے، میرا خیال ہے، متذکرہ بالا مصرعے کے مفہوم کو واضح کرنا جوئے شیر لانے کے مصداق ہوگا۔ اس کے معنی "طریقہ" بھی کیوں نہ ہوں جس کا مفہوم "راستہ" ہے اور جو کسی بات یا مطلب کا اشاریہ ہوتا ہے اور جس میں "دیباچہ" "سرنامہ" "کسی چیز کا اوّل" سب کے معانی پوشیدہ ہیں۔ اس مصرعہ میں "عنوان" اپنی لغوی سطح سے ہٹ کر "طریقہ" کے مفہوم میں استعاراتی فضا کا حامل ہے اور یہاں یہی صحیح ہے۔

اسی طرح آپ کا کہنا ہے کہ "زینت" کے معنی صرف سجاوٹ کے ہیں اور اس کا مفہوم "خوبصورتی" سے واضح کرنا غلط ہے۔ محض لغت میں یقیناً نامناسب ہے مگر یہاں مسئلہ لغت کی تدریس کا نہیں بلکہ شعر کی تدریس کا ہے۔ "خوبصورتی" کے معنی "کسی شے کی ہیئت کے خوب یا اچھا ہونے" کے ہیں۔ کیا اس میں مجازاً سجاوٹ کا مفہوم شامل نہیں ہے؟

"حاجب" کے معنی "حجاب یا پردہ کرنے والا" پر آپ کو اعتراض ہے۔ یعنی آپ کے خیال میں اس کے معنی "دربان" ہونا چاہئے۔ سبھی لغات میں اس کے معنی "دربان" اور "پردہ کرنے والا" دونوں ملتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شعر میں اس کا محل استعمال کیا ہے۔

ع "نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے"

یہاں اگر ہم "حاجب" کے معنی طلبہ کو صرف "دربان" بتائیں تو اوّل تو دربان خود ان کے لئے مشکل ہوگا "چوکیدار" اگر بتاتے ہیں تو اس لفظ سے جو ذہنی تصویر بنتی ہے وہ مصرعے کی تمام شعری فضا اور نزاکت کو درہم برہم کر کے بلم اور لاٹھی سے لیس ایک پہرہ دار کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرے گی پھر "چوکی" کے حقیقی مفہوم کی وضاحت میں بات کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔ ہاں مجازاً ہم "آڑ" کے معنی سے کام لے سکتے ہیں۔ تو پھر "پردہ کرنے والا" اور "آڑ" میں کیا فصل ہے؟

لفظ "حس" کے معنی "احساس" پر بھی آپ معترض ہیں۔ لغت میں اس کے معانی ملاحظہ کیجئے۔

"حس" — بمعنی چھونا، کسی بات کو معلوم کرنا

"احساس" — بمعنی چھونا، حس کرنا

یہاں "چھونا" مادی شکل میں ہے جبکہ حس بالکل غیر مادی ہے۔

اب وہ مصرعہ دیکھئے جس میں یہ لفظ آیا ہے۔

"کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا، نہ غم ہوگا"

اس مصرعہ میں "حس" کے مفہوم کو متذکرہ بالا معانی کی مدد سے (جو محض لغت کی سطح پر ہیں) سمجھانے کی کوشش کرنا کہاں تک کامیاب ہوگا؟ اگر یہ کوشش ناکام ہے تو پھر "حس" کے معنی "احساس" کے ذریعہ واضح کرنے میں کیا قباحت ہے جسے طلبہ آسانی سے "محسوس" کر سکتے ہیں۔ کیا "چھونا" "کسی بات کو معلوم کرنا" کا مجازی مفہوم "احساس" کے وسیلے سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس مصرعے میں "احساس" کے علاوہ "حس" کے دوسرے مجرد معنی بتانا نامناسب ہی نہیں بلکہ شعر کی تفہیم میں غلط بھی ہیں۔"

اس تمام بحث سے واضح ہوتا ہے کہ شعر و ادب کی تفہیم اور تدریس کے وقت الفاظ کے لغوی معانی بالکل اپاہج ہو جاتے ہیں یہاں ہمیں لغت اور اس کے معانی کی صحت اور عدم صحت سے ہٹ کر شاعری اور شعر کی اس فضا کو گرفت میں لانے کی ضرورت ہے جو اپنے معانی کا مخصوص زاویہ اور محسوسات کا ایک عالم رکھتی ہے شعر و ادب دو اور دو چار کی منزل سے بہت بلند ہے اور اس کے الفاظ میں معانی کا اختلاف ہمیشہ رہے گا۔

صفحہ ۳ سے آگے

خود اسٹاف سے مکمل غیر جانبداری پر اصرار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زبان کے سلسلے میں اور دوسری معلومات کے سلسلے میں صحیح اندراجات ہوں تاکہ ملک کی صورت حال کا ٹھیک ٹھیک علم ہو سکے۔ انھوں نے پھر یاد دلایا کہ اب مردم شماری کا کام دس مارچ سے شروع ہوگا اور ۳۱ر مارچ تک جاری رہے گا۔ بے گھر کے لوگوں کی مردم شماری ۳۱ر مارچ کی شب میں ہوگی۔ یکم سے تیسری اپریل تک نظر ثانی ہوگی تاکہ پہلی اپریل تک کی آبادی کا علم ہو سکے۔

▲

دیویندر پرشاد سکسینہ

"جپ" جی صاحب کا

ایک منظوم اُردو ترجمہ

بابا نانک کی پانسو سالہ برسی کے موقع پر جپ جی صاحب کے منظوم اردو ترجمہ نغمۂ دیدار الٰہی کا تعارف اردو دنیا کے سامنے کرانا چاہتا تھا لیکن اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی اور کچھ نہ لکھ سکا۔ اب طبیعت کچھ سنبھلی ہے تو نغمۂ دیدار الٰہی" پر ایک مختصر سا مضمون لکھ رہا ہوں۔ جپ جی صاحب کے اس منظوم ترجمہ کے مترجم ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ہیں جو اردو، فارسی، انگریزی اور پنجابی زبان کے عالم ہیں اور ہندی زبان پر بھی ماہرانہ قدرت رکھتے ہیں۔ "نئی دنیا" "کیفیات" اور "سفینہ" تین مجموعے اردو زبان میں آپ کے شائع ہو چکے ہیں اور ایک شاعر کی حیثیت سے جدید اردو شاعری میں آپ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جناب عبد القادر سروری نے اپنی کتاب جدید اردو شاعری میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر دیوانہ کی انگریزی کتاب ماڈرن اردو پوئٹری ملک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جا چکی ہے۔ "نغمۂ دیدار الٰہی" بابا نانک کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ بابا نانک کا زمانہ ۱۴۶۹ء - ۱۵۳۸ء تک رہا ہے۔ ڈاکٹر دیوانہ جپ جی صاحب کے منظوم ترجمہ "نغمۂ دیدار الٰہی" میں اس قدر کامیاب ہوئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ترجمہ میں بڑی سلاست اور روانی ہے اور ترجمہ اصل کے مطابق ہے۔ جپ جی صاحب کا کوئی منظوم اردو ترجمہ اس کے مقابلے میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ پروفیسر عباس شوشتری نے "نغمۂ دیدار الٰہی" پر مقدمہ لکھتے ہوئے اس منظوم ترجمہ کے سلسلے میں یہ رائے ظاہر کی ہے۔

"جناب ڈاکٹر موہن سنگھ کے منظوم اردو ترجمہ جپ" کا میں نے مطالعہ کیا۔ اس کا نام انھوں نے "نغمۂ دیدار الٰہی" رکھا ہے۔ البتہ بہت ہی موزوں نام ہے ایک زبان سے دوسری زبان میں عرفانی اور روحانی منظوم افکار کو نظم میں ترجمہ کرنا آسان نہیں اور خاص کر کے اس صورت میں کہ ترجمہ اصل کے مطابق ہو اور فصیح اور سلیس عبارت میں ہو یہ کام استادی سے ہو سکتا ہے اور ڈاکٹر صاحب میدان ادب کے استاد ہیں .... مولانا رومی اور خواجہ عبد اللہ انصاری اور فرید الدین عطار کے افکار کو عینک بنا کر چشم بصیرت سے جپ نغمۂ دیدار الٰہی کو مطالعہ کیا تو بے اختیار کہنا پڑا کہ چہرہ کبیر و غ دیدم ازمان

بابا نانک ہندو مسلم یکتا کے سب سے بڑے پرچارک ہوئے ہیں اور اس مشن میں انھوں نے اپنی ساری زندگی لگا دی ان کا پیغام ساری دنیا کے لئے تھا اس لئے جپ جی صاحب کا مطالعہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے۔ پروفیسر عباس شوشتری نے "نغمۂ دیدار الٰہی" کے سلسلے میں بالکل صحیح فرمایا ہے۔ "نغمۂ دیدار الٰہی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہہ سکتا ہوں کہ "جپ" کسی خاص فرقہ کے لئے نہیں ہے بلکہ جو حقیقت کا طالب ہے اور اپنے من کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ سکھ ہو یا مسلم ہندو ہو یا کچھ اس سے روحانی فائدہ اٹھا سکتا ہے گرو نانک جی جیسے بزرگ کسی خاص فرقہ یا دیس کے نہیں۔ وہ سارے سنسار کے ہیں ان کا وطن وہ ہے جس کے بارے مولانا رومی فرماتے ہیں۔

"ایں وطن آں است کو را نام نیست"

ان کا دھرم وہ ہے جو سیدھا حقیقت کی طرف

اعجاز صدیقی اکبر آبادی

قطعۂ تاریخ وفات

روشؔن صدیقی جوالاپوری مرحوم

جنوری کی تھی وہ تیئیسؔ سنیچر کی تھی رات
"ذرۂ قلب" میں جان اپنی روشؔن نے دے دی

ساٹھویں سال ابھی گزرے تھے رہ ہستی میں
اور زنجیر نفس قبل سحر ٹوٹ گئی

جس کے مرنے سے نہ کیوں شاہجہاں پور آتا ؟
کہ سر بزم سخن اس کی قضا آئی تھی

ہائے وہ شاعر خوش فکر و خوش انداز و بیاں
ہائے وہ موت کی گھڑیاں کہ غریب الوطنی

دل مسلمان تھا فکریں بھی تھیں مسلماں جس کی
جس نے توڑیں نہ کسی وقت قیود شرعی

ایسا عابد نہ ہوئی ترک کبھی جس کی نماز
ایسا مومن کہ جو تھا پیرو احکام نبیؐ

آستانوں پہ بصد حسن عقیدت جو رہا
وجد لیتی تھی جسے تربت پیر دہلی

ادب و شعر میں ایسا اسے حاصل تھا مقام
جسے تاریخ فراموش نہیں کر سکتی

لفظ و معنی کے در و بام سجائے جس نے
جس کے شعروں میں تھی گہرائی بھی گیرائی بھی

غم دنیا، غم عقبیٰ سے بہت تھا بیچین
دے خدا روح کو اب اس کی سکون ابدی

کہو اعجازؔ لب آہ سے تاریخ وفات
"مشعل بابِ سخن نام روشؔن صدیقی"

---

۱۹ ۶ ۷۰
+ ۱
۷۱

رہنمائی کرتا ہے:

جپ جی صاحب کا منظوم اردو ترجمہ "نغمۂ دید ار الٰہی" بھارت کی تقسیم سے پہلے مرکنٹائل پریس چیمبرلین روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوپال داس چھپا تھا اور سردار جودھ سنگھ سیٹھی مالک گوردوارہ جناب گانیڈنرز دہلی گھرام تیرتھ نے بابا نانک کے عقیدت مندوں میں تقسیم کرایا تھا جو جپ جی صاحب کا مطالعہ پنجابی نہ جاننے کی وجہ سے نہ کر سکتے تھے۔ اب یہ منظوم ترجمہ بالکل نایاب ہو گیا ہے اس لئے اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہونا ضروری ہے۔ سر تیج بہادر سپرو، حضرت جگر بریلوی اور ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے جپ جی صاحب کے اس منظوم ترجمہ نغمۂ دیدار الٰہی کو اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ بتایا تھا۔ آپ نغمۂ دید ار الٰہی" کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک ہے وہ شب ہے وہ حق ہے وہ
ساری ذی جان و بے جان قادر مطلق ہے وہ
کس سے اس کو خوف ہے کس سے عداوت ہے اسے
بے تغیر ہے لشا ط نگ و صورت ہے اسے
دائرۂ تثلیث سے باہر ہے از خود ہست ہے
جن کے مرشد راہ حق مالک کرواتا ہے طے
نغمۂ دیدار حق اس آیۂ کو جپ سر حصہ
تھا ہے اور ہو گا خدائے برحق اے جوئیے در

کنہ حق کو کب تفکر سے مفکر پا سکے
اور پے ہم خامشی سے بھی نہ وہ ہاتھ آ سکے
برت روزہ والے ہیں اس کے طلبگار آج تک
اہل ذکر افکار سے اپنے ہیں بیزار آج تک
رو نما ہو کیسے حق کس طرح باطل دور ہو
رہ رضائے کاتب ازل میں اور مسرور ہو

کن سے مخلوقات ہے بیرون ہے کن اور اک سے
حکم سے عالم بنے پھولے پھلے اور مٹ گئے
حکم حق سے زیر و بم ہے حکم سے شادی غمی
حکم سے ہے گری اور حکم سے منزل رسی
حکم کے دائرے میں ہیں سب حکم سے باہر ہے کون؟
حکم کو جانے جو اس پے خودسے اٹھ کے آتا ہے کون؟

کوئی حامد اس کی طاقت کا ہے جس کو ہے توان
کوئی حامد نعمتوں کا ہے انھیں سمجھا نشان
کوئی حامد کبریائی کا گن اور اخلاق کا
اور بد قت کوئی علم کل کا ہے محو ثنا
کوئی اس کی ساخت و ترتیب تن کا حمد خواں
کوئی اس کی روحوں کی داد و ستد کا ترجماں
کوئی حامد اس کی نزدیکی بعید و دوری کا ہے
کوئی حامد ناظری باوصف مستوری کا ہے
ختم ہو سکتا نہیں حمد و ثنا کا سلسلہ
ہو چکے ہیں اور ہوں گے وصف خواں لا انتہا
لینے والے خواہ تھک جائیں وہ دیتا جائے گا
کھاتے جائیں کھانے والے وہ نہ تھکنے پائے گا
راہ لئے بے تعداد ہیں اس تک پہنچنے کے لئے
ہے وہ بے پرواہ نشاط اندوز اپنے جلووں سے

شورش کاشمیری (اڈیٹر چٹان لاہور)

زبان اردو پاکستان میں

(حیدرآباد سندھ اور کراچی میں اردو کے خلاف ہنگاموں سے متاثر ہو کر پاکستان کے مشہور شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری نے یہ نظم لکھی جو ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لئے یقیناً بصیرت افروز ہوگی۔ ادارہ)

جو کبھی لے کے نکلتے تھے نشان اردو
اب وہی لوگ مٹاتے ہیں زبان اردو
اس سے بڑھ کر بھی کوئی ہوگا زیان اردو
حیدرآباد میں ٹوٹی ہے کمان اردو
ہندوؤں سے کبھی شکوہ تھا مسلمانوں کو
اب مسلمان بھی ہیں دشمن جان اردو
میر و غالب کے زمانے کی طرف لوٹ چلو
آج کل سخت مصیبت میں ہے جان اردو
کل پرایوں کی محافل میں تھا چرچا اس کا
آج اپنوں ہی کو بھی نہیں شان اردو
حالی و اکبر و اقبال و نذیر و شبلی
ان کے رشحات سے ہے زور بیان اردو
کیا اسی دن کے لئے اہل زباں آئے تھے
بھوک ہڑتال کریں پیر و جوان اردو
اس نئے دور نے کیا لوگ کئے ہیں پیدا
شیخ سنتا ہی نہیں آہ و فغان اردو
بول شوق کا مزا اہل طریقت جانیں
میں تو شورش ہوں طلبگار جہان اردو

مراسلات

دُرّ العجائب کی تلاش

دُرّالعجائب (دُرّۃ العجائب) کسی محمد علی جبل رودی نے آج سے ۳۰۰ سال پہلے تالیف کی تھی، وہ لکھتا ہے کہ

"این حقیر بے استطاعت وفقیر بے بضاعت

منزوی خاک بے وجودی محمد علی جبل رودی بہ تاریخ

ہزار وپنجاہ ہجرت ...... در زمان سلطان

عبداللہ قطب شاہ ...... بدارالسلطنۃ

حیدرآباد ..... گزار افتاد"

حیدرآباد کے اس بادشاہ کے دربار میں بحث تھی کہ شاہ عباس صفوی کے زمانے میں ترکی زبان کی ضرب الامثال جمع کی گئیں، لیکن چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے آج تک شاہان صفویہ یا مغلیہ نے اس طرف توجہ نہ کی اور فارسی زبان کی ضرب الامثال جمع نہیں کی گئیں۔

چنانچہ اس نے یہ کام اپنے ذمّے لیا اور دُرّالعجائب کے نام سے یہ جامع التمائیل بکی سال میں تیار کی۔

سوال:۔ کیا حیدرآباد میں یا کہیں اور "جامع التمائیل" یا "دُرّالعجائب" کے نام سے ایسی کوئی کتاب قلمی یا مطبوعہ صورت میں محفوظ ہے؟ یا اس کے علاوہ فارسی ضرب الامثال کا کوئی اور مستند نسخہ محفوظ ہے؟

از ماسکو ● ظ انصاری

استفسار

لاہور پاکستان سے جناب محمد احسن خاں صاحب نے کچھ سوالات ارسال فرمائے ہیں۔ میں ان کو اپنی ناواقفی اور عدیم الفرصتی کی بنا پر ناظرین ہماری زبان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں امید کہ الفاظ ذیل کے معنی اور مطلب بیان فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

۱۔ شمع مجلس حیران۔ یہ لفظ باغ وبہار میں پہلے درویش کی سیر میں آیا ہے۔ فقرے کا آغاز یوں ہوتا ہے۔ "یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا جا بجا تھے سروچراغاں کنول اور فانوس خیال، شمع مجلس حیراں اور فانوسیں روشن تھیں۔"

۲۔ بن کھنڈی۔ یہ لفظ دوسرے درویش کی سیر میں ہے فقرہ یہ ہے۔ "مولی ان مول دیکھے سیو را سر جیوں دیکھے کرت کنول دیکھے بن کھنڈی بن میں۔"

۳۔ قلب مکان۔ باغ وبہار کے آخری حصے میں ہے۔ فقرہ یہ ہے۔ "وہ بڑا قلب مکان ہے اور خود بھی بڑا شیطان ہے"

۴۔ سر دیخ۔ مثنوی سحر البیان میں ہے (داستان نکاح ہونا بے نظیر کا ساتھ بدر منیر کے)

کسی نے بیاہی سر دیخ آن کر کوئی گالی بھی دے گئی جان کر

سر دیخ کے معنی کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔

۵۔ عروس الخطوط۔ سحر البیان (داستان تیاری میں باغ کی) عروس الخطوط اور ثلث ورقاع بہ خفی وجلی شکل خوشنما ع

عروس الخطوط کس قسم کے خط کا نام۔

● مکیش اکبرآبادی

استفسار کا جواب

بن کھنڈی۔ ہندوستان میں ایک مشہور جنگل۔

(ڈنکن فارسی صفحہ ۱۲۸)

سر دیخ۔ (ہندی) ایک قسم کا بیج (پلیٹس صفحہ ۶۵۸)

عروس الخطوط۔

"WRITING IN WHICH THE LETTERS HAVE THE DIACRITICAL POINTS MARKED"

تحریر جس میں حروف پر اعراب لگائے گئے ہوں۔

پلیٹس صفحہ ۹۰

باقی دو کے متعلق بعد میں عرض کروں گا۔ ● آل احمد سرور

تبرکات اسد وغالب کے بارے میں

ہماری زبان ۸ر جنوری ۱۹۷۱ء میں تبرکات اسد وغالب کے عنوان سے کچھ کلام چھپا ہے پہلی غزل اسد اللہ غالب کی نہیں ہے۔ بلکہ مکرم الدولہ بہادر بیگ غالب متوفی ۱۲۱۸ھ کی ہے اور تذکرہ بینظیر زائن جہان میں شامل ہے۔

مجمع الاشعار کا ایک ایڈیشن ۱۲۷۷ھ میں بمبئی سے بھی چھپ چکا ہے اس غزل کا مقطع یہ ہے۔

کب رہا ہے اب ہمیں درد بشر کا امتیاز

دیکھ کر جاتا رہا مجھ کو نظر کا امتیاز

علی گڑھ ● فرخ جلالی

اخبار و اذکار

نظیر اکبر آبادی کی یادگار قائم کی جائے گی

آگرہ۔ یہاں اردو کے مشہور شاعر میاں ولی محمد نظیر اکبر آبادی کی ایک یادگار قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس بار بھی ۱۸۱ برس سے ہونے والا نظیر میلہ تاج گنج میں میاں نظیر کے مزار پر بسنت کے دن ہوا جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ آگرہ کارپوریشن کے میئر رام بابو ورما نے یادگار کے لئے کارپوریشن کی جانب سے ۲ ہزار روپیہ عطیہ کا اعلان کیا ہے۔ شری دیو کی نندن ایم۔ ایل۔ اے نے پانچ ہزار اینٹوں کا دان دینے کا اعلان کیا۔ شری دیوی پرشاد دوبے نے رپورٹ میں بتایا کہ نظیر میلہ ۱۸۱ برس سے برابر ہو رہا ہے۔ • قومی آواز

بھگواڑہ (پنجاب) میں انجمن ترقی اردو کی شاخ

انجمن ترقی اردو کے ممبروں کا ایک اجلاس خیر بھوپال ادشعاً میں منعقد ہوا جس میں مقامی شاخ کے مندرجہ ذیل عہدیداران بہ اتفاق رائے منتخب ہوئے۔

صدر: جناب چرن جیت لال اشنک
نائب صدر: 〃 کے۔ سی آزاد ایڈوکیٹ
〃 〃 منموہن شرما
جنرل سکریٹری: 〃 کنور امیں باتش
جائنٹ 〃 〃 رویندر بھیر

علاوہ ازیں ۱۱ ممبران پر مشتمل ورکنگ کے اراکین نامزد کرنے کا اختیار صاحب صدر کو دیا گیا۔ ایک قرارداد کے ذریعہ پنجاب سرکار سے اردو کو مناسب مقام دئے جانے کا مطالبہ کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ اردو کی بہبود کے لئے سرگرم کوشش کرنے پر غور کرنے کے لئے جلد محبان اردو کو متحرک کیا جائے۔ • نامہ نگار

دیوان غالب بخط غالب کے قلمی نسخہ کا مقدمہ

عدالت بھوپال سے ختم

جناب توفیق احمد قادری چشتی مالک نیشنل بک ڈپو امروہہ نے اطلاع دی ہے کہ ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو بھوپال کے اے۔ ڈی۔ ایم (جے) کماری پربھا شرما کی عدالت نے ان پر سے مقدمہ اٹھالیا۔ یاد رہے کہ مولوی شفیق الحسن تاجر کتب بھوپال نے ان پر اس نسخے کے سلسلے میں مقدمہ چلایا تھا۔ دونوں طرف کے وکیلوں نے فریقین میں مصالحت کرادی اور شفیق الحسن صاحب نے پانچ سو روپیہ لے کر اپنا دعوا واپس لے لیا۔

توفیق احمد صاحب چاہتے ہیں کہ اس نسخے کو نسخہ توفیقیہ بھوپال

کا نام دیا جائے۔ • نامہ نگار

نسخۂ عرشی زادہ کو نیشنل ایوارڈ

۱۹۶۹ء کے دوران میں طبع اور شائع ہونے والی ہندوستان کی تیرہ زبانوں کے قومی مقابلے میں "نسخۂ عرشی زادہ دیوان غالب بخط غالب" کو دو انعامات کا مستحق قرار دیا گیا۔ یہ قومی مقابلہ ہندوستان کی تیرہ زبانوں کے درمیان بہترین پروڈکشن اور بہترین ڈیزائننگ کا تھا۔ ۲ فروری ۱۹۷۱ء کو شری گوپال سروپ پاٹھک نائب صدر جمہوریۂ ہند نے وگیان بھون نئی دلی میں شری محمود علی صدیقی امروہوی کو پروڈکشن پر اور شری اکبر علی خاں عرشی زادہ سکریٹری ادارۂ یادگار غالب رامپور کو ڈیزائننگ پر یہ اعزازات اپنے دست مبارک سے عطا کئے۔

اردو کے شیدائیوں کے لئے مقام مسرت ہے کہ "نسخۂ عرشی زادہ" کا طباعتی معیار اور تزئین کا انداز ہندوستان کی تیرہ دیگر زبانوں کو پیچھے چھوڑ گیا۔ • نامہ نگار

افسانہ نگاری کا مقابلہ

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے بزم ادب کے زیر اہتمام انٹر کلاس افسانہ نگاری کے مقابلے کے سلسلے میں زیر صدارت قدسیہ بیگم مستقل

ایم۔لٹ ایک بزم کا انعقاد ہوا۔ اس مقابلے میں تین طالب علموں نے حصہ لیا۔ قدیر بیگم نے ایم۔اے فائنل اور ناہید تاج اور شاہ عالم نے ایم۔اے سال اول سے حصہ لیا۔

تینوں افسانے ابتدائی کوشش کے باوجود خوب تھے اتفاق رائے سے شاہ عالم کے افسانے "اور پھر" کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ • محمد فاصل سکریٹری بزم ادب

گلبرگہ دکن میں ثاقب کا خیر مقدم

اردو کے اولین نثر نگار حضرت خواجہ بندہ نواز کے دیار گلبرگہ میں خاندان آصفی کے جواں فکر اور صاحب طرز شاعر پرنس نقی علی خاں ثاقب کے ورود اور ان کے دوسرے شعری مجموعہ "کتاب سحر" کی اشاعت پر مبارکباد کے لئے گورنمنٹ آرٹس کالج گلبرگہ میں بزم اردو، اردو اکیڈیمی، ادبی سنگم اور ادارہ روزنامہ "سلامتی" نیز نیشنل اسکول کی طرف سے پرنسپل عاقل علی خاں کی صدارت میں ادبی اجلاس اور مشاعرہ منعقد ہوا۔ دکن کے مشہور نظم گو شاعر ڈاکٹر غیاث صدیقی نے ثاقب کی غزلیہ شاعری پر مضمون سنایا، پروفیسر حسن محی الدین غیرت نے تقریر کی۔ اس کے بعد محفل شعر منعقد ہوئی جس میں بہت سے نامور شعراء کرام نے اپنا کلام سنایا۔

• شاہین صدیقہ گلبرگہ

ضلع رتناگیری میں اردو ہائی اسکول کا سالانہ جشن

ضلع رتناگیری کے اولین اردو تعلیمی ادارے نیشنل ہائی اسکول داپولی کا سالانہ جشن منعقد کیا گیا۔ اس میں جناب طبیب ڈاکٹر اکبر خان سرگروہ (ایم۔بی۔بی۔ایس) نے سائنس اور آرٹ کی ایک شاندار نمائش کا افتتاح کیا، جو اسکول کے طلبہ کی طرف سے لگائی گئی تھی۔ دوپہر کو اردو کے مشہور محقق اور مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر بمبئی کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالستار دلوی کی صدارت میں جلسہ عام ہوا اسماعیل یوسف کالج بمبئی کے شعبۂ اردو کی پروفیسر ڈاکٹر مسز میمونہ دلوی اس جلسے کی مہمان خصوصی کے ہاتھوں طلبہ وطالبات کو انعامات دئے گئے۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے اپنے عالمانہ خطبۂ صدارت میں طلبہ و اساتذہ کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ علاقائی ہم آہنگی کے لئے مہاراشٹر کے اردو اداروں میں مراٹھی زبان کی تدریس کا بھی انتظام ہونا چاہئے۔ • نامہ نگار

مسلم انسٹی ٹیوٹ کا سالانہ جلسہ

گذشتہ دنوں لٹریری سکشن مسلم انسٹی ٹیوٹ (کلکتہ) کے زیر اہتمام ۳۰ر جنوری ۷۱ء کو ایک شاندار مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب سالک لکھنوی نے کی اور اناؤنسر کے فرائض مشاعرہ کے کنوینر جناب رفیق الزماں نے انجام دئے اس مشاعرہ میں کلکتہ اور مضافات کے بہت سے مشاہیر شعراء کرام نے شرکت کی۔

۱۳ر جنوری ۷۱ء کو ڈرامہ "سر سید" اسٹیج کیا گیا جس کے مصنف اور ڈائرکٹر جناب خلیل الرحمن ایم۔اے۔ڈبلو۔بی۔سی۔ایس تھے۔ اس ڈرامہ میں سر سید کی شخصیت اور اس وقت کے سماجی ماحول کو اچھے انداز سے پیش کیا گیا۔ • سراج الحق برقی

گورکھپور میں مردم شماری کمیٹی کا قیام

گورکھپور۔ اردو کے ہمدردوں کی ایک نشست جناب حکیم ابوالکلام صدیقی کی قیام گاہ پر ڈاکٹر سلام سندیلوی کی صدارت میں ہوئی جس میں شہر اور ضلع گورکھپور کے لئے ایک مردم شماری کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا اور طریق کار پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ جلد ہی ہر وارڈ اور بلاک کے لئے ذیلی کمیٹیاں تشکیل کی جائیں۔ مردم شماری کمیٹی گورکھپور کے عہدہ داروں اور ممبروں کی تفصیل یہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی۔ سرپرست، حکیم ابوالکلام صدیقی (صدر)، احمر لاری (نائب صدر)، بدیع الزماں اعظمی (کنوینر)، ایم کوٹھیاوی راہی (ناظم نشر و اشاعت)، نور گورکھپوری (خازن)۔ خصوصی ممبران کے نام یہ ہیں۔

چودھری محمد جمیل، ایشوری پرساد گبر، ہندی گورکھپوری، پیام گورکھپوری، جالب نعمانی، جہش اشک، صابر عیسی، امید فضل امام، محمد شریف، محمد حمدی ایڈوکیٹ، جوہر وارثی، گردش الہ آبادی، اعجاز احمد خاں، حکیم وصی احمد، محمد حامد علی، عاصم واحدی، سالک گورکھپوری، عبیدالرحمن اختر، انور یائق وغیرہ۔ • ایم کوٹھیاوی راہی

صفحہ ۱۲ سے آگے

آرزو لکھنوی کے رنگ دونوں کو میں اردو کے دائرے سے خارج کرنے کو تیار نہیں ہوں، جس طرح ابوالکلام آزاد کے اسٹائل اور عبدالحق کے اسٹائل دونوں کے حسن کو مانتا ہوں، اسی طرح ان عربی فارسی الفاظ کو جو ہماری زبان میں آگئے ہیں بگاڑنے کا قائل نہیں۔ محبت چھوٹی ہ سے لکھی جائے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں محبت کے ساتھ مذاق کر رہا ہوں۔ ہاں خورشید کو و کے بجائے پیش سے غالب نے بھی لکھا ہے۔ ذکوٰۃ کو عربی قاعدے سے لکھنے کے بجائے زکات، رحمٰن کو رحمان، اسمٰعیل بلکہ عیسیٰ اور موسیٰ کو الف سے لکھنے کے حق میں ہوں۔ لغت میں ان کا اصلی تلفظ مل جائے گا اور اصل زبان کی شکل بھی لیکن عام طور پر جس طرح بولا جائے اسی طرح لکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ "ے" کے استعمال کے سلسلے میں بھی کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی رائے تھی کہ بڑی یے کا استعمال بالکل ترک کر دیا جائے۔ میرے نزدیک یائے معروف اور یائے مجہول عام طور پر پوری لکھنی چاہئیں۔ ہاں اے۔ لے۔ خے کی آواز کو ظاہر کرنے کے لئے آدھی یائے معروف یعنی ای۔ لو۔ خی لکھی جاسکتی ہے۔ اس قاعدے کے مطابق میز کو مے ز۔ سیر کو سی ر۔ لکیر کو لکی ر۔ مے کو می لکھنا ٹھیک رہے گا۔ دشواری یہ لکھنے میں پڑے گی تو اس کے بجائے صرف یے سے کام نکالا جاسکتا ہے۔ صوتی لحاظ سے مناسب یہی ہے۔ ہمزہ کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہمزہ صرف وہاں لکھنا چاہئے جہاں آواز ٹوٹ جائے۔ دیے۔ لیے بغیر ہمزہ کے اور گئے، نئے، آئے، جائے ہمزہ کے ساتھ لکھنے چاہئیں۔ کوئی، بائی۔ کوءی۔ پاءی لکھنا بہتر ہوگا۔ جہاں آخر میں الف کی آواز آتی ہے وہاں ہ لکھنے کی ضرورت نہیں پتہ کے بجائے پتا، بٹوارہ کے بجائے بٹوارا، پردہ کے بجائے پردا، کویلہ کے بجائے کویلا لکھنا بہتر ہوگا۔ کنواں، ہنسنا، پھانسی میں نون غنہ کے اظہار کے لئے "ں" کا نشان ضرور بنانا چاہئے۔ بل کل، فورن، ادنا، اعلا تو اب لوگ لکھنے لگے ہیں۔ میں تو عبدالحفیظ کو بھی عبدل حفیظ اور فضل الرحمٰن کو فضل رحمان لکھنے کے حق میں ہوں۔ عبدل دہلوی کا ابراہیم نامہ ابھی مسعود حسین خاں کی ترتیب سے شائع ہوا ہے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ عبدل علحدہ تو اردو کے قاعدے سے لکھا جائے مگر عبدالحفیظ عربی قاعدے سے لکھنا ضروری ہو۔

رسم خط کے سلسلے میں ایک آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اردو کی کتابیں ان لوگوں کے لیے جو اردو رسم الخط سے واقف نہیں ہیں، دیوناگری رسم الخط میں چھاپی جاتی ہیں تو نہ صرف مجھے اس پر کوئی اعتراض ہے، بلکہ میں اس کی حمایت کرتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح ہماری زبان کے الفاظ کسی نہ کسی طرح ایک وسیع تر حلقے تک پہنچے ہیں۔ کوئی گھر بیٹھے اپنے ٹیلی ویژن پر باغ کا منظر دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے پھولوں کے حسن، ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک پہنچانے اور روح کو بالیدہ کرنے والے رنگوں، ان کی مست کرنے والی خوشبو کا اندازہ نہ کر پائے گا مگر ہمارے باغ کی بہار کا کچھ تو فیض اس تک پہنچ ہی جائے گا۔ ہم کیوں اسے اس سے محروم کریں۔ ہاں جو ہماری زبان و ادب کی قدروں، اس کے فکر و فن کے تاج محل، اس کی ساحری، اس کے رزم و بزم، اس کی بلندی اور اس کی گیرائی، اس کی نفاست اور اس کی صلابت۔ اس میں مستی اندیشہ ہائے افلاکی اور زمین کے ہنگاموں کو سہل کرنے کا عزم، اس کی روایت اور اس کے تجربے، اس کی شیرینی، اس کے مزے، اس کی گمبھیرتا اور اس کی اعلیٰ سنجیدگی سے آشنا ہونا چاہتا ہے تو اسے ہمارے رسم الخط کو سیکھنا چاہئے۔ مغرب کے لوگ تو مشرق کی مردہ زبانوں اور معدوم لکھاوٹوں کے سیکھنے میں عمریں گزار دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ سہل پسندی کیوں ہے۔ زبان و ادب پر ہی نہیں، تہذیبوں اور قوموں پر بھی مشکل وقت آتے ہیں مگر زبانوں کے شیدائی اور تہذیبوں کے عاشق ہر مشکل پر قابو پانے کا عزم کرتے ہیں۔ مایوس نہیں ہوتے، ماتم نہیں کرتے۔ حالات کے حوالے اپنے کو نہیں کرتے۔ دریا میں تنکے کی طرح نہیں بہتے۔ جب لندن پر جرمن ہوا باز طوفانی گولہ باری کر رہے تھے تو ایک دکان پر یہ تختہ لگا ہوا تھا: BUSINESS AS USUAL کاروبار اسی طرح چالو ہے۔ ہماری زبان و ادب کا کاروبار کاروبار شوق ہے اور کاروبار شوق میں وقتی نفع نقصان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مستقل نفع نقصان کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ میں نہ اردو کو قریب مرگ سمجھتا ہوں، نہ روز بروز سکڑنے والی زبان۔ آزادی کے بعد ایک بڑے حلقے کی تنگ نظری کے باوجود یہ زبان زندہ اور توانا ہے۔ اس کے ادب میں آج کی ہر موج اور ہر ذہنی رو کے نقوش ملتے ہیں۔ فراق اور فیض ابھی موجود ہیں اور نئے فراق اور فیض ابھر رہے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں، اردو زبان کا چرچا امریکہ اور روس اور کئی دوسرے ملکوں میں ہو رہا ہے۔ غالب کی صد سالہ برسی کی تقریبات عالمگیر پیمانے پر منائی گئی تھیں۔ دقتیں اور دشواریاں ہیں مگر ان کو دور کرنے کی کوشش بھی جاری ہے اور ہم انھیں دور کرکے رہیں گے۔ اب بھی کچھ لوگ سادہ لوحی یا ایمان کی کمزوری یا احساس کمتری یا سراسیمگی یا ذاتی مفادات کی وجہ سے کبھی رسم خط بدلنے کی بات کرتے ہیں یا کبھی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی منزل پر مادری زبان کے بجائے ریاستی یا علاقائی زبان پڑھانے کی تان سے چکبست مرحوم کے الفاظ میں یہی کہا جاسکتا ہے:

مصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں
مبارک بزدلوں کو گردش قسمت سے ڈر جانا

ہم نہ بھلاوے سے ڈرتے ہیں نہ وہ الفاظ سے جگر فتہ ہیں کیونکہ ہم بگڑے ہوئے ہیں اتنے حسین بھیس میں جو آئے۔

صفحہ ۲ سے آگے

کے شیدائی اس لئے ہمیں نسخ بھدا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بچپن سے نستعلیق طرز میں لکھی ہوئی کتابیں پڑھتے آئے ہیں۔ میں نے حال میں پاکستان کی وہ کتابیں دیکھیں جو بچوں کو تیسرے اور چوتھے درجے میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ نسخ ٹائپ میں چھپی تھیں، حروف جلی اور روشن تھے اور چونکہ کاغذ اور طباعت دونوں اچھے تھے اس لئے مجھے تو یہ کتابیں اچھی معلوم ہوئیں۔ نستعلیق رسم الخط کو ترک کرنے کا سوال نہیں ہے، عام لکھاوٹ کے لئے یہ اب بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص قسم کی مطبوعات کے لئے جو خاص موقعوں پر تیار ہوں یا خاص خاص کاموں کے لئے نستعلیق رسم الخط میں فوٹو آف سیٹ کے ذریعے سے بھی کتابیں چھاپی جا سکتی ہیں۔ آخر ایران میں بھی تو یہی ہو رہا ہے جہاں عام رواج نسخ ٹائپ کا ہے خاص مطبوعات نستعلیق میں چھاپی جاتی ہیں۔ نستعلیق صرف خط نہیں فن لطیف بھی ہے۔ اس فن لطیف کو باقی رکھنا چاہیے مگر عام تدریس اور طباعت کے لئے نسخ کا استعمال ضروری ہے۔ ہمیں بڑے پیمانے پر درسی کتابیں تیار کرنا ہیں ہزاروں کی تعداد میں کتابوں کے ایڈیشن نکالنے ہیں۔ اس کا انتظام کرنا ہے کہ ہمارے اخبار لاکھوں کی تعداد میں چھپیں جب یہ نسخ ٹائپ کے ذریعے سے ہو سکتا ہے تو اسے اختیار کر لینے میں پس و پیش کیوں۔

انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۴۲ء ۱۹۴۳ء میں رسم الخط میں اصلاحات کے سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی تھی جس کی تجاویز رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی تھیں۔ ان اصلاحات پر انجمن کی حیدرآباد کی درسی کتابوں میں ایک حد تک عمل بھی ہوا تھا۔ پھر ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کے ہماری زبان میں ایک اور کمیٹی کی روداد چھپی تھی۔ اصلاحات کے سلسلے میں دراصل مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی خدمات ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھی جائیں گی۔ ان حضرات نے انشا کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے کہ اردو میں کوئی لفظ خواہ عربی کا ہو یا فارسی کا یا ترکی کا، جس طرح اردو میں رائج ہو گیا ہے خواہ اصل کی رو سے صحیح ہے یا غلط اسے اردو کا لفظ سمجھنا چاہیے۔ املا کے لئے بہت مناسب اصلاحات تجویز کی تھیں۔ ان اصلاحات کی خوبی یہ تھی کہ ان میں چلن، استعمال، آواز اور تلفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے آج کی تدریسی اور طباعتی ضروریات کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی۔ ان سفارشات پر کچھ لوگوں نے عمل کیا اور ایک زمانے میں رسالہ اردو اور انجمن کی مطبوعات میں بھی ان کا لحاظ رکھا گیا مگر آئے دن کی ضروریات، کاتبوں کی عادت اور سرمایے کی کمی کی وجہ سے ان پر پورا عمل نہ ہو سکا۔

انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۵۶ء میں پھر رسم الخط کی اصلاح کے لئے ایک ماہرین کی کمیٹی بنائی۔ اس کے سوال نامے کے جواب میں اسّی جواب موصول ہوئے۔ اسّی میں سے اگرچہ پینسٹھ نے سفارش کی تھی کہ چھپائی کے لئے نسخ اور لکھاوٹ کے لئے نستعلیق استعمال ہو مگر انجمن کی جولائی ۱۹۵۷ء کی کانفرنس میں اس کی اتنی مخالفت ہوئی کہ معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ بہرحال میری رائے میں ہمیں اس معاملے میں پس و پیش نہ کرنا چاہئے اور تمام متعلقہ حضرات کو اس پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ رفتہ رفتہ چھپائی کا سب کام ٹائپ میں کریں۔ اس کے لئے حکومت اور بڑے اداروں کو تجارتی حلقوں کے لئے سہولتیں پیدا کرنی پڑیں گی۔ ٹائپ فی الحال مہنگا پڑتا ہے اس لئے ٹائپ کی مشین لگانے کے لئے امداد دینی پڑے گی۔ جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں ان کو اس پر راضی کرنا پڑے گا کہ فی الحال ٹائپ کی کچھ مہنگی کتابیں خریدیں لیکن ایسے معاملات میں سب فوراً ساتھ نہیں ہوتے۔ یہ عمل رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس تبدیلی میں بھی کچھ دیر لگے گی۔ میرے نزدیک حسب ذیل اصلاحات پر عمل کرنے سے ہماری بہت سی تدریسی اور طباعتی ضروریات پوری ہوں گی اردو کی خود مختار اور آزاد حیثیت برقرار رہے گی، موجودہ روپ میں کوئی ایسی تبدیلی بھی نہ ہوگی کہ تحریر نامانوس ہو جائے، نو آموز حضرات کے لئے آسانی پیدا ہو جائے گی، ہمارے رسم الخط پر اعتراضات کم ہو جائیں گے۔ یہ جو آئے دن کوئی نہ کوئی ضعف ایمان کا شکار، احساس کمتری کا مریض یا ابن الوقت رسم الخط کی تبدیلی کا مشورہ دیتا رہتا ہے اس کی اپیل باقی نہ رہے گی۔

طباعت کے لئے نسخ ٹائپ اختیار کرنے کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ ہر ملنے والے حرف کی دو سے زیادہ شکلیں نہ ہوں۔ ایک پوری ایک آدھی۔ مثلاً ع کی شکل "عہد" میں کچھ ہے "بعد" میں کچھ "شمع" میں کچھ ہے اور "سماع" میں کچھ۔ اگر ایک "عہد" کی سی شکل شروع یا درمیان میں اور ایک سماع کی عین کی شکل آخر میں رہے تو نو آموزوں کی الجھن اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ اسی طرح آدھی ب اور پوری ب کے لئے بد اور باب میں ب کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ سجاد مرزا کے بنیادی ٹائپ میں اس کا التزام رکھا گیا تھا۔ اس طرح کرسی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ بنیادی ٹائپ کو اختیار کیا جائے یا نہیں مگر جوڑوں کی زیادتی سے ٹائپ میں جو دشواریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا حل ضروری ہے اور یہاں ناز و حسن کا سوال نہیں آنا چاہئے۔ آسانی، سہولت، صحت اور کفایت کو دیکھنا چاہئے۔ کچھ لوگ س، ص، ث میں سے ایک حرف اختیار کر لینے پر زور دیتے ہیں۔ میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ جس طرح غالب کے ابتدائی کلام کے رنگ اور

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L. 922 فون نمبر ۲۹ R. NO. 2186/57